AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

مشتاق احمد یوسفی: ایک منفرد مزاح نگار (فکری و تہذیبی تجزیات اور چراغ تلے کی نثر)

بلال احمد
لکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج پبی نوشہرہ
university.uop@gmail.com
مصباح نوشابہ گل
لکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج چغرمٹی پشاور
Misbahgulal@gmail.com
ڈاکٹر مہرالنساء
لکچرار شعبہ اردو
گورنمنٹ فرنٹئر کالج برائے خواتین پشاور
mehrmarwa18@gmial.com

Abstract
The collected essays of Chiragh Talay constitute, intellectually and culturally, a school of thought in their own right. These essays are not merely superficial observations; rather, they delve deep into the intricate civilizational traditions of the Indian subcontinent. They weave together the currents of tradition and modernity in such a way that the reader perceives a continuous narrative of intellectual evolution. These essays offer a comprehensive overview of social, political, societal, and economic analyses. These analyses are unique in their nature, as they not only highlight the everyday struggles of the common people but also address issues such as power structures, economic disparity, and the awakening of political consciousness. A subtle discernment and insight permeate each analysis.
To express all these themes, Mushtaq Ahmed Yousufi chose a humorous style, which has multiplied the impact of these analyses manifold. His satire and wit render even bitter realities tolerable and engaging, without diminishing the depth of thought. This approach not only convinces the reader but also compels them to reflect.

کلیدی الفاظ:
طنز و مزاح، اسلوبیات، تہذیبی ورثہ، فکری مطالعات، نفسیاتی حربے، تاریخی شعور۔

اس حوالے سے یہ بات طے ہے کہ مزاح نگاری ادب کا ایک انتہائی مشکل اور پیچیدہ تخلیقی عمل ہے، اسی لیے دنیا کے کسی بھی ادب میں طنز و مزاح کا رجحان دیگر اصنافِ ادب کی نسبت کم ملتا ہے۔ اردو ادب میں بھی یہی صورت پائی جاتی ہے، جہاں حقیقی معنوں میں ظریفانہ ادب کی مایوس کن حد تک قلت ہے۔ ہر زبان میں طنز و مزاح کی ادبی روایت اُس زبان کے ثقافتی اور تاریخی زاویوں کی ترجمان ہوتی ہے، اور جیسے جیسے زبان ترقی کرتی ہے، اس کا ادبی خزانہ بھی نکھر تا جاتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے ادبی ورثے میں یہ سلسلہ رفتہ رفتہ زیادہ باوقار اور فنی اعتبار سے مضبوط تر ہوا ہے۔ اسی تناظر میں مشتاق احمد یوسفی کا شمار اُن چند نمایاں تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی قدرتی صلاحیتوں اور مسلسل محنت سے ایک ایسا ادب وجود میں لایا جو بالکل ان کی اپنی پہچان ہے۔ ان کی تصانیف نہ صرف منفرد ہیں بلکہ فکر اور اظہار کے لحاظ سے بھی بلند مرتبہ رکھتی ہیں۔ اس کی اصل وجہ طنز و مزاح پر ان کی شاندار گرفت ہے، جس کی بدولت انھوں نے اپنی تحریروں کو دلکش اور مسرت بخش بنا دیا۔ یوسفی کے مجموعی ادبی سرمائے میں پانچ کتابیں شامل ہیں: (۱) چراغ تلے (۲) خاکم بدہن (۳) زرگذشت (۴) آبِ گم (۵) شامِ شعریاراں۔

مزاح کی شعریات میں یہ بنیادی نکتہ شامل ہے کہ مزاح درحقیقت انسان کے اندرونی غم اور کرب کو کم کرنے کا ایک فطری ذریعہ ہے۔ جب کوئی شخص کسی سماجی یا سیاسی مسئلے کی شدت کو محسوس کرتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ یہ مسئلہ انسانی زندگی کو براہِ راست متاثر کر رہا ہے، تو وہ اپنے اظہار کے لیے کوئی اور صنف بھی منتخب کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ صرف سنجیدہ اصناف ہی کا سہارا لے، بلکہ مزاح بھی ان موضوعات کو نہایت شگفتہ اور دلچسپ انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

یہاں ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا تحریر کی صنف مصنف کی فکری سنجیدگی کو متاثر کرتی ہے؟ رؤف پاریکھ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مزاح میں سنجیدہ سماجی، تہذیبی اور سیاسی مسائل کو اٹھانا ممکن ہی نہیں۔ ان کے خیال میں مزاح کی نوعیت ہی اس راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ لیکن یہ دعویٰ محلِ نظر ہے، کیونکہ مزاح کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جہاں اہم مسائل کو مزاحیہ پیرائے میں انتہائی سلیقے سے پیش کیا گیا ہے۔ مزاح میں سماجی شعور کی مکمل نمائندگی ممکن ہے، اور مشتاق احمد یوسفی کا کلام اس کی روشن دلیل ہے۔ یوسفی کے ہاں بھی سیاسی اور سماجی مسائل کی جھلک ملتی ہے، لیکن ان کے اسلوب کی شگفتگی اور مزاحیہ آہنگ ان مسائل کی شدت کو ظاہر ہونے نہیں دیتا، بلکہ ان کے اندرونی معانی کو لطیف پیرائے میں چھپا دیتا ہے۔ رؤف پاریکھ کا یہ بیان اگرچہ یوسفی کے حوالے سے ہی ہے، لیکن میں اس قول سے قطعی اختلاف کرتا ہوں۔ میرے نزدیک مزاح میں بھی سماجی و تہذیبی شعور کی گہری موجودگی ہوتی ہے اور یوسفی کا مزاح اس کا بہترین ثبوت ہے۔ اس بابت چراغ تلے سے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:

> کافی امریکہ کا قومی مشروب ہے۔ میں اس بحث زور سے پھیلا، یا کافی کلچر کے زور سے رائج ہوئی۔۔۔۔۔ کہ غبار خاطر چائے کی وجہ سے مقبول ہوئی۔۔۔ یا چائے غبار خاطر کے باعث؟ یہ دلیل پیش کی امریکہ میں کافی اس قدر عام ہے کہ جیل میں بھی۔۔۔۔۔ کہ جب خود قیدی۔۔۔ پڑی کہ وکالت کریں۔ پاکستانی جیلوں میں بھی قیدیوں کے ساتھ یہ ۔۔۔۔ ملے گی۔ پھر انھوں نے بتلایا کہ وہاں لاعلاج مریضوں کو بشاش رکھنے ۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ دم ۔۔۔۔۔ ٹپکا دیے جائیں تو مریض کا دم آسانی سے نکل جائے۔ بخدا، مجھے تو اس تجویز پر بھی اعتراض۔۔۔۔(۱)

دوسرا اقتباس ملاحظہ کیجئے جو تہذیبی، تاریخی اور سماجی شعور سے لبریز ہے:

> تاریخ کیلینڈر میں ان کا کہیں ذکر نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ سکندر نے۔۔۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ بن مانس کون سے سن میں انسان۔۔۔ پیدا ہوئی اور سقراط نے کب زہر کا پیالہ اپنے ہونٹوں سے لگایا لیکن آج تک۔۔۔ کسی ساعت نایاب میں عورت بنی۔ جوانی کس رات۔۔۔ گھڑی شروع ہوا۔(۲)

"چراغ تلے" کے عنوان کی بنیاد مصنف کے بینکاری کے پیشے سے جڑے تجربات پر ہے۔ بینک کی نوکری اگرچہ روپے کی فراوانی کی علامت ہے، مگر اس پیشے میں رہتے ہوئے بھی وہ مالی تنگی کا شکار تھے۔ یہ عجیب تضاد ہے کہ ایک بینک، جو دنیا کو قرضے دیتا ہے، اپنے ہی ملازم کو محض ایک محدود تنخواہ کے سوا کچھ نہیں دیتا۔ اسی سوچ نے انھیں اپنی پہلی کتاب کا نام "چراغ تلے" رکھنے پر مجبور کیا، جس میں مزاح کا پہلو بھی موجود ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ یہ عنوان پوری کہاوت نہیں بلکہ اس کا صرف ایک جز پیش کرتا ہے۔ مکمل کہاوت "چراغ تلے اندھیرا" ہے جس سے مراد یہ ہے کہ روشنی کے منبع کے نیچے ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ عنوان ایک باریک اشارہ دیتا ہے، جو قاری کے فہم سے جڑا ہوا ہے۔ مصنف قاری کی ذہنی اصلاح بھی چاہتا ہے اور اسے عمل کی طرف مائل کرنا بھی۔ دوسری جانب، اس کی علامتی سطح پر ایک کھوئے ہوئے پن کا احساس بھی چھپا ہوا ہے۔ تخلیق کار کی محرومی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں جو اس کے کسی بینکاری پہلو سے جڑا ہوا ہے۔ مگر کیا قاری کی اپنی ناامیدیوں کو بھی اس تصور سے جوڑا جا سکتا ہے؟ میرے خیال میں جی ہاں، ہم اس کے ذریعے قاری کی ادھوری توقعات کو برتنے کا ایک جذباتی رشتہ استوار کر سکتے ہیں۔ چونکہ مصنف مزاح کے شعبے سے تعلق رکھتا ہے اس لیے وہ اس نفسیاتی حقیقت سے بخوبی واقف ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اپنی کتاب کا عنوان چراغ تلے رکھا، جو اسی محرومی اور قریب ہوتے ہوئے بھی دوری کے المیے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

کتاب کا پہلا مضمون دیباچے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس کا عنوان 'پہلا پتھر' ہے۔ یہ استعارہ لیجنڈ کی صورتِ حال سے جڑا ہوا ہے جس میں حضرت عیسیٰ کے دور کے ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے جب ایک زانیہ عورت کو سنگسار کرنے کا معاملہ اٹھا تھا۔ اس میں یہ سبق پنہاں ہے کہ پہلا پتھر وہی اُٹھائے جو خود کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ یعنی پہلے پتھر کی نفسیات یہ بتاتی ہے کہ انسانی خطائیں ہر اس عمل میں نمایاں ہوتی ہیں جہاں گناہ اور نہ کیے گئے گناہوں کی باریک بینی شامل نہ ہو۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

اور جہاں یہ صورت ہو تو خام فن کار کے لئے طنز ایک مقدس جھنجلاہٹ کا اظہار بن کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ہر وہ لکھنے والا جو سماجی اور معاشی ناہمواریوں کو دیکھتے ہی دماغی بائینے میں مبتلا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ خود کو طنز نگار کہنے اور کہلانے کا سزاوار سمجھتا ہے لیکن سادہ و پیرکار طنز ہے بڑی جان جوکھوں کا کام بڑے بڑوں کے جی چھوٹ جاتے ہیں۔ اچھے طرز نگار تنے ہوئے رستے پر اترا اترا اکر کر تب نہیں دکھاتے۔(۳)

اس کتاب کا ایک مضمون مریض کی عیادت اور بیماری کے باہمی تعلق پر مزاحیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ یہ خاکہ انسانی نفسیات کے مضحکہ خیز پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے اور مزاح و بذلہ سنجی کی نادر مثالیں پیش کرتا ہے۔ اس میں مریض اور عیادت کرنے والوں کے درمیانی تعلقات کو طنز و مزاح کا رنگ دیا گیا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات عیادت کرنے والے خود مریض کی تکلیف میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہ برتاؤ ہندوستانی معاشرے میں عام ہے اور اسے مذہبی اور تہذیبی سند بھی حاصل ہے، کیونکہ ہر مذہب میں مریض کی عیادت کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن مشتاق احمد یوسفی نے اس نیک عمل میں بھی ریاکاری کے عناصر تلاش کر لیے ہیں۔ ان کے مطابق مریض اور تیماردار کے رشتوں میں دکھاوا مریض کی ذہنی اور سماجی حالت کو نازک بنا دیتا ہے اور اسی فکر کو انھوں نے انتہائی مزاحیہ پیرائے میں پیش کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں باعزت طریقے سے مرنا ایک حادثہ نہیں ہنر ہے جس کے لئے عمر بھر ریاض کرنا پڑتا ہے۔ اور اللہ اگر توفیق نہ دے تو یہ ہر ایک کے بس کا روگ بھی نہیں۔ بالخصوص پیشہ ور سیاست داں اس کے نئے آداب سے واقف نہیں ہوتے۔ بہت کم لیڈر ایسے گزرے ہیں تمھیں صحیح وقت پر مرنے کی سعادت نصیب ہوئی کمیر اخیال ہے کہ ہر لیڈر کی زندگی میں، خواہ وہ کتنا ہی گیا گزرے کیوں نہ ہو، ایک وقت ضرور آتا ہے جب وہ ذرا جی کڑا کر کے مر جائے یا اپنے سیاسی دشمنوں کو رشوت دے کر اپنے آپ شہید کر لے تو وہ لوگ سال کے سال نہ سہی،(۴)

اس کتاب کا ایک مضمون ایسا ہے جس میں تاریخ نگاری کے طریقوں پر مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں چوٹ کی گئی ہے۔ مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخ صرف واقعات کا خشک مجموعہ نہیں بلکہ اسے پیش کرنے کا انداز بھی اہم ہے۔ وہ اس روایت پر سوال اٹھاتے ہیں جس میں تاریخ کو محض حکمرانوں کی پیدائش، موت اور لڑائیوں کی فہرست سمجھ کر پڑھایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں رائج تدریسی نظام اور نصابی کتب کو اگر اسی مضمون کی روشنی میں پرکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کی زبان محض تفریح تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کا لہجہ تلخ طنزیہ بھی ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تاریخ کا اصل مقصد صرف بادشاہوں اور معرکوں کی تاریخوں کو حفظ کرنا نہیں، بلکہ ایک ایسا شعور بیدار کرنا ہے جو حال اور مستقبل کو سمجھنے میں مدد دے۔

مصنف کے مطابق اگر ہم صرف تاریخوں اور واقعات کو رٹ کر ڈالیں تو یہ محض ایک مشغلہ یا ذہنی ورزش ہو سکتی ہے، لیکن اس سے کوئی حقیقی تاریخی فہم پیدا نہیں ہوتی۔ وہ یہ پیغام دیتے ہیں کہ تاریخ کا مطالعہ اس انداز میں کیا جائے کہ وہ ہماری سوچ کو گہرائی دے نہ کہ وہ ایک بے جان فہرست بن کر رہ جائے۔

حالانکہ دماغی طور پر میں پانی پت کی لڑائیوں میں بری طرح زخمی ہو چکا تھا لیکن آخری قطعہ کو منکر میں نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ امتحان میں باعزت طریقے سے فیل ہونا اس اوچھے ہتھیار سے ہزار درجہ بہتر ہو گا۔ بہر حال مرزا نے ایک ہفتہ بعد اس کلیر کامیابی کو امتحان میں بے دریغ استعمال کیا جس میں انھیں دو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا بڑی بیشواری تو یہ کہ کاپی میں قطعات اور حروف ابجد کا حساب دیکھ کر کمرہ امتحان کا نگراں، جو ایک، دراسی کر سچین تھا۔(۵)

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

اردو میں "صنف نازک" کی اصطلاح عام طور پر عورتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، لیکن اسی اصطلاح کی تحریف سے "صنف لاغر" جیسی طنزیہ تعبیر وجود میں آئی جس سے نسوانیت کے معاملات کا بے تکلفانہ اظہار ممکن ہوا۔ یہ لفظی چال اس بات کی علامت ہے کہ اردو مزاح میں عورت کی عصبیت اور حساسیت کو کس طرح نہایت شگفتگی سے پیش کیا جاتا ہے۔ عورتیں اپنی عمر اور جسامت کو لے کر اکثر نفسیاتی الجھنوں (کامپلیکس) کا شکار رہتی ہیں، اور یہی فطرت مشتاق احمد یوسفی جیسی مزاح نگاروں کے لیے تخلیقی مواد بنی۔ یوسفی کا مشہور جملہ "گھوڑے اور عورت کی ذات کا اندازہ اس کی لات اور بات سے کیا جاتا ہے" ضرب المثل بن چکا ہے اور سوشل میڈیا کے دور میں اس کی خوب تشہیر ہو رہی ہے۔ یہ جملہ اگرچہ بظاہر طنز ہے، مگر حقیقت میں عورت کی بے ساختگی اور نفسیات پر گہری بصیرت رکھتا ہے۔

اس مضمون میں عورت کے حوالے سے پوری تہذیب کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ معاشرے نے عورت کو کس طرح تہذیبی طور پر پیش کیا، کبھی نزاکت کا مجسمہ بنا کر، کبھی طنز کی زد رکھ کر۔ یوسفی کا اسلوب اس پیشکش کو مزاحیہ ہونے کے باوجود فکری بلندی عطا کرتا ہے، جہاں قاری مسکراتے ہوئے بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

> زمانہ قدیم میں ایران میں نسوانی حسن کا معیار چالیس صفات تھیں اگر چہایک عورت میں ان کا کچا ہونا ہمیشہ نقص امن کا باعث ہوا اور یہ مشہور ہے کہ شیریں ان میں سے انتالیس صفات رکھتی تھی۔ چالیسویں صفت کے بارے میں مورخین متفقہ طور پر خاموش ہیں۔ لہذا گمان غالب ہے کہ اس کا تعلق چال چلن سے ہو گا۔ اس زمانے میں ایک عورت میں عموماً ایک ہی صفت پائی جاتی تھی۔ اس لئے بعض بادشاہوں کو بدرجہ مجبوری اپنے حرم میں عورتوں کی تعداد بڑھانا پڑی ہر زمانے میں یہ صفات زنانہ لباس کی طرح سکڑتی ہٹتی اور گھٹتی رہیں۔(٦)

چراغ تلے کے مجموعی مضامین فکری اور تہذیبی اعتبار سے ایک مکتبہ فکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مضامین محض سطحی مشاہدات نہیں، بلکہ برصغیر کی پیچیدہ تہذیبی روایتوں کی گہرائی میں اترتے ہیں۔ ان میں روایت اور جدیدیت کے دھاروں کو اس طرح سمیٹا گیا ہے کہ قاری کو فکری ارتقاء کی ایک مسلسل کہانی نظر آتی ہے۔ ان مضامین میں سماجی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی تجزیوں کا ایک جامع جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ تجزیے اپنی نوعیت میں منفرد ہیں کیونکہ یہ نہ صرف عوام کی روزمرہ جدوجہد کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ طاقت کے ڈھانچوں، معاشی تفاوت اور سیاسی شعور کی بیداری جیسے موضوعات کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ ہر تجزیے میں ایک باریک بینی اور بصیرت کارفرما ہے۔

ان سب موضوعات کے اظہار کے لیے مشتاق احمد یوسفی نے مزاحیہ اسلوب کا انتخاب کیا ہے، جس نے ان تجزیوں کی تاثیر کو کئی گنا بڑھا دیا ہے۔ ان کا طنز و مزاح تلخ حقیقتوں کو بھی قابل برداشت اور دلچسپ بنا دیتا ہے، بغیر اس کے کہ فکر کی گہرائی میں کوئی کمی آئے۔ یہ انداز قاری کو قائل کرنے کے ساتھ ساتھ سوچنے پر بھی مجبور کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۲، ص ۴۵

۲۔ ایضاً، ص ۸۵

۳۔ ایضاً، ص ۱۷

۴۔ ایضاً، ص ۲۲

۵۔ ایضاً، ص ۸۹

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۶